مسلم امت کا قرآنی تصور

ڈاکٹر محمد نذیر کاکاخیل

"امۃ" کی اصطلاح عربی زبان کے ایک لفظ "ام" سے مشتق ہے جس کے لفظی معنی نشانہ باندھنے یا ارادہ کرنے کے ہیں۔ عمومی اصطلاح کے طور پر اس کا مطلب افراد کا ایک گروہ لیا جاتا ہے جو ایک مذہب یا کسی لیڈر کی پیروی کرتا ہو۔(۱) ایک علاقے یا نسل سے تعلق رکھنے والے لوگوں اور پرندوں کے انواع و اقسام کے لئے بھی امت کی اصطلاح مستعمل ہے۔(۲) امۃ کی اصطلاح قرآن کریم میں مختلف مفهوموں میں استعمال ہوتی نظر آتی ہے۔ کئی ایک مقامات پر قرآن پاک امۃ کی اصلاح کو قوم (Nation) کے معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ مثلاً

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ   وہ ایک امت تھے جو چلے گئے (۳)

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ   ہر قوم و ملت کیلئے ایک معین وقت ہے (۴)

وَ مِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ

اور جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے اور حق کے مطابق حکم کرتا ہے۔(۵)

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَيْهِمُ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ

جیسا کہ (ہم نے گذشتہ انبیاء کو بھیجا) تجھے بھی ایک امت کے درمیان بھیجا کہ جس سے پہلے دوسری امتیں آئیں اور چلی گئیں تاکہ ہم نے جو کچھ تجھ پر وحی کی ہے ان کے سامنے پڑھو حالانکہ وہ رحمٰن سے کفر کرتے ہیں۔(۶)

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَسُوْلٌ ۔ اور ہر امت کی ہدایت کیلئے رسول ہے۔(۷)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا۔(۸)

علاوہ ازیں قرآن کریم لوگوں کی ایک جماعت یا گروہ کے لئے بھی امۃ کی اصطلاح کئی ایک جگہوں پر استعمال کرتا ہے مثلاً

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی باتوں کی طرف دعوت دینے والی ہو۔(۹)

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ کچھ لوگ میانہ رو ہیں۔(۱۰)

وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

اور قوم موسیٰ میں سے ایک گروہ حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔(۱۱)

وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا۔(۱۲)

قرآن پاک مذہب کے معنوں میں بھی امۃ کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ مثلاً کلام اللہ کا یہ جملہ

بَلْ قَالُوْۤا اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ

بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور بے شک ہم ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔(۱۳)

مخصوص عرصہ یا وقت کے لئے بھی قرآن کریم میں کئی جگہوں پر امۃ کا لفظ استعمال ہوا۔ مثلاً مندرجہ ذیل آیتوں میں :

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ

اگر ہم عذاب کو ایک محدود مدت کے لئے ٹال دیں۔(۱۴)

وَ قَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ

ان دو افراد میں سے جسے نجات مل گئی تھی اسے ایک مدت کے بعد یاد آیا کہنے لگا میں تمہیں اس کی تعبیر بتاؤں گا مجھے (اس قیدی کے پاس) بھیج دو۔(۱۵)

مخصوص مذہبی جمعیت کے معنوں میں بھی امۃ کی اصطلاح کو قرآن کریم نے استعمال کیا ہے جسے انگریزی میں (Religious Community) کہتے ہیں۔ اس مفہوم میں امۃ کی اصطلاح خصوصی طور پر مسلمانوں کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

اسی طرح تم کو درمیانی امت بنایا ہے۔(۱۶)

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ تم بہترین امت ہو۔(۱۷)

عام انسانی جمعیت کے معنوں میں قرآن پاک لمۃ کی اصطلاح اس طرح استعمال کرتا ہے :

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً   انسان امت واحدہ تھے۔(۱۸)

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً

اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی طریقہ کے ہو جائیں گے۔(۱۹)

مندرجہ بالا جائزے سے یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ قرآن پاک امۃ کی اصطلاح مختلف معنوں کے ساتھ ساتھ خصوصی طور پر مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی مذہبی جمعیت کے لئے استعمال کرتا ہے جہاں جہاں لفظ امۃ مسلمانوں کی جمعیت کے لئے استعمال ہوا ہے وہاں وہاں وہ مندرجہ بالا مفہوموں میں سے نمبر ایک اور تین کو ملا کر معنی دیتا ہے۔ قرآن پاک کے بعد تاریخ اسلام میں امت کی اصطلاح پہلی مرتبہ رسول کریم نے "میثاق مدینہ" (۲۰) کی دو شقوں یعنی دفعہ نمبر ۱ اور دفعہ نمبر ۲۵ میں استعمال کی ہے۔(۲۱) اگرچہ یہ اصطلاح انہی معنوں میں استعمال ہوئی ہے جو قرآن پاک نے کئے ہیں لیکن عصر حاضر کے کچھ مفکرین اور ان کے تابعین نے اس کی مختلف تاویلات کر کے غلط فہمیاں پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔ اسی موضوع پر تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔

مسلمان علماء اور فقہاء نے بھی اسلام میں امت کے تصور سے بحث کی ہے۔ انہوں نے مسلمان قوم کے لئے امۃ کی اصطلاح مخصوص کی ہے۔ ان کے مطابق لمۃ اس مذہبی جمعیت کا نام ہے جس کے اراکین رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیروکار ہوں یعنی وہ اللہ کی وحدانیت اور آپؐ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہوں اور جملہ شرعی احکام کی بے چون وچرا تعمیل کرتے ہوں۔(۲۲)

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ لمۃ کی قرآنی اصطلاح کافروں کی جمعیت کے لئے بھی استعمال ہوئی ہے اور مسلمان قوم کے لئے بھی۔ چونکہ مکہ ہی میں آنحضرتؐ کے پیروکاروں کی کافی تعداد تھی جو اسلام کی عظمت اور سربلندی کے لئے خندہ پیشانی سے ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے اور قرآن پاک نے مکہ ہی میں ان کے لئے قوم کے معنوں میں امۃ کی اصطلاح استعمال کی لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ مسلم لمۃ کا تصور ہجرت کے بعد آیا یا یہ کہ ہجرت کے بعد آغاز میں امۃ کا تصور علاقہ واریت پر مبنی تھا جو بعد میں ہمہ گیریت اختیار کر گیا(۲۳) مکہ ہی میں رسول اکرمؐ اپنی امۃ کی وسعت اتحاد و یگانگت اور سیاسی برتری کے لئے کوشاں تھے۔ چنانچہ قرآنی احکامات و ہدایات کی روشنی میں آپؐ نے امۃ مسلمہ کے اتحاد کے لئے چار سطحوں پر کام کرنا شروع کیا تھا۔ ذیل میں ہم مختصراً ان کا حوالہ ضروری سمجھتے ہیں :

ا۔ روحانی وحدت و یگانگت

انسانی تعلقات کی بہتری' خدا کی وحدانیت پر یقین کی وجہ سے آپس میں متحد ہونے' دلوں کو کدورت سے پاک کرنے (۲۴) اور باہمی محبت اور میل ملاپ بڑھانے اور دلوں میں خوف خدا پیدا کرنے کی غرض سے اور خدا اور بندے

کے درمیان براہ راست تعلق جوڑنے کی خاطر اعلان نبوت کے بعد نماز کی فرضیت امۃ کی روحانی وحدت اور یگانگت کی طرف اہم قدم تھا(۲۵) قیامت کے بارے میں قرآن کے عقلی دلائل(۲۶) جزاء وسزاء کے تصور(۲۷) اور اللہ کی نشانیوں‘اس کی طاقت اور کاموں کی طرف توجہ دلانے والی آیتوں(۲۸) نے مکہ میں مسلمانوں کے درمیان روحانی اتحاد ویگانگت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ روحانی یگانگت کے حصول کی خاطر رسول کریم نے عیسائیت کا راستہ اختیار نہیں کیا کہ اپنے پیروکاروں کو ترک دنیا کا سبق دیتے یا انہیں ترک دنیا پر مجبور کرتے۔ اس ضمن میں قرآن پاک یہ ہدایت مشعل راہ تھی۔

وَ ابۡتَغِ فِیۡمَاۤ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الۡاٰخِرَۃَ وَلَا تَنۡسَ نَصِیۡبَکَ مِنَ الدُّنۡیَا وَ اَحۡسِنۡ کَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِی الۡاَرۡضِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ۔

اور جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کرو اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھولو اور جیسی خدا نے تم سے بھلائی کی ہے تم بھی بھلائی کرو اور زمین میں فساد پھیلانے کے طلب گار مت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(۲۹)

لیکن ایک طرف اگر رہبانیت کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے کہ اس سے اتحاد کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا تو دوسری طرف خالص دنیاداری اور حب مال کی بھی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ چنانچہ ابتدائی مکی سورتوں میں واضح الفاظ میں قرآن پاک کا ارشاد ہے:

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِ

ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے‘ چغلخور کی خرابی ہے جو مال جمع کرتا اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔(۳۰)

آنحضرتؐ نے اپنے طرز عمل سے اسلام کے ابتدائی دور میں‘ جب کہ مخالفین کے ہاں اس کا نام لینا بھی جرم سمجھا جاتا تھا‘ اپنے اردگرد لوگوں کی ایک خاصی تعداد جمع کی اور ان قرآنی ہدایات کی روشنی میں جو وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہیں اور جن میں سے چند ایک کا حوالہ اوپر دیا گیا‘ مسلمانوں میں وحدت فکر پیدا کی۔ مسلم امۃ میں یگانگت وہم آہنگی پیدا کرنے کی غرض سے آپ نے ہجرت سے قبل مکہ میں بھی مواخات قائم کی تھی(۳۱) جس کے دوررس سماجی‘ معاشی اور سیاسی نتائج برآمد ہوئے تھے۔

۲) معاشی وحدت

رسول اکرمؐ کی بعثت کے وقت عرب دنیا میں ہر قسم کا استحصال زوروں پر تھا۔ قرآن پاک کی مکی آیات اور احادیث نبویؐ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب ثروت لوگ غریبوں کا استحصال کیا کرتے تھے جس نے معاشرہ کی جڑیں کھوکھلی کر کے ایک معاشی، معاشرتی، سیاسی اور روحانی بحران پیدا کر دیا تھا۔ تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ جاہلی دور میں کس طرح دھوکہ، ناپ تول میں کمی وغیرہ، غیر معیوب افعال سمجھے جاتے تھے چنانچہ اعلان نبوت کے بعد رسول مقبولؐ نے جس امت کی بنیاد رکھی، اسے ان خرابیوں سے پاک رکھنے کے لئے ایک طرف اگر قرآن نے تزکیہ نفس پر زور دیا تو دوسری طرف معاشی استحصال کے خاتمہ اور اقتصادی تحفظات کے لئے بھی ٹھوس بنیادیں فراہم کیں تاکہ فاقہ کشی یا غربت و افلاس مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل نہ کر سکے۔ (۳۲) چنانچہ دھوکہ دہی اور ناپ تول میں کمی کی سختی سے ساتھ ممانعت کر دی گئی (۳۳) دولت کا ارتکاز کرنے والوں اور اسے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود پر خرچ نہ کرنے والوں کو دوزخ کی خوشخبری سنائی گئی (۳۴) یتیموں کو دھکے دینے اور غریبوں کو نظر انداز کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی اور انجام بد سے ڈرایا گیا (۳۵) انفاق فی سبیل اللہ کی جزا کے بارے میں بھی قرآن کی مکی آیتیں بڑی واضح ہیں (۳۶) مسلمان کے مال میں سائل اور محروم کا حصہ مکہ میں نازل شدہ آیات و سور میں ٹھہرایا گیا (۳۷) مکی آیتوں میں صلوۃ کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ اور انفاق کا بھی تذکرہ ہے (۳۸) جس سے یہی مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن نے مکہ ہی سے یعنی ابتدائے نزول میں ہی امۃ کے غریب و لاچار افراد کی سوشل سیکورٹی کا بندوبست کیا تھا (۳۹)۔

مکی مواخاۃ جس کا حوالہ گزشتہ صفحوں میں دیا گیا ہے کا مقصد امۃ کے افراد کے درمیان محرومیوں کے احساس کو ختم کرنا، غریبوں کی مالی مشکلات پر قابو پانا اور ان کے درمیان انس و محبت بڑھانا تھا تاکہ ابھرتی ہوئی امۃ مسلمہ کی جڑیں مضبوط ہوں اور دولت کی کثرت ایک طرف لوگوں کو بدمست نہ کرے اور دوسری طرف محروموں کے دلوں میں اس کی طمع یا صاحب ثروت لوگوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا نہ کرے۔ قرآن کی معاشی تعلیمات نے جن کا رسول کریمؐ نے ابتدائی دور اسلام میں مکہ میں درس دیا اور عملی تفسیر پیش کی، امۃ مسلمہ کے افراد کے درمیان وحدت و یگانگت کے جذبات ابھارنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

۳۔ معاشرتی وحدت

تاریخ پر ایک نگاہ ڈالنے سے پتہ چلے گا کہ جاہلی دور میں عرب معاشرہ کے زوال کے اسباب میں معاشرتی خرابیوں کا بڑا حصہ تھا۔ ان معاشرتی قباحتوں کی نشاندھی حضرت جعفر بن ابی طالب کی اس تقریر میں کی گئی ہے جو انہوں نے ہجرت حبشہ کے بعد وہاں کے بادشاہ کے دربار میں کی تھی۔ آپکی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

''اے بادشاہ! ہم غیر مہذب لوگ تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاری اور قطع رحمی کرتے

تھے' ہمسایوں کے ساتھ زیادتی سے پیش آتے تھے۔ ہم میں طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ان حالات میں ہم میں خدا نے ایک پیغمبر بھیجا جس کی صداقت' پاکبازی امانت داری اور حسب و نسب سے ہم واقف ہیں۔ اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا اور ہمیں تعلیم دی کہ ہم بتوں کی پرستش چھوڑ دیں' صرف خدائے واحد کی پرستش کریں' سچ بولیں' امانتداری اور صلہ رحمی کریں' انسانوں کا حق ادا کریں' ہم نے خونریزی اور حرام کاری کو چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی' حلال و حرام کو پہچانا اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔ اس جرم میں ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور ہم کو طرح طرح کی اذیتیں دیتی ہے تاکہ ہم ان باتوں کو چھوڑ کر پھر گمراہی اختیار کر لیں۔" (۴۰)

یہ تقریر ایک طرف اگر عربوں کی معاشرتی خرابیوں کی منہ بولتی تصویر ہے تو دوسری طرف یہ رسول کریمؐ کی ان کوششوں کی بھی عکاسی کرتی ہے جو آپ نے معاشرہ کو ان خرابیوں سے پاک کرنے کے لئے شروع کی تھیں۔

جاہلی دور کی معاشرتی برائیوں میں سے ایک قبیح رسم ربا کی تھی جس نے معاشرتی بھائی چارے اور باہمی تعاون کو ختم کر دیا تھا (۴۱) قرآن نے اس قباحت کو برا کہا (۴۲) اور مدینہ میں جب اسلام کو سیاسی غلبہ حاصل ہوا تو نہ صرف اسے ممنوع قرار دیا گیا (۴۳) بلکہ جو لوگ اس کو جاری رکھے ہوئے تھے' انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کی دھمکی قرار دیا گیا (۴۴) اس قسم کے اقدامات نے معاشرتی ہم آہنگی اور اتحاد میں اہم کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں آنحضرت نے نئی ابھرتی ہوئی امۃ کو سماجی حیثیت دی۔ عورت کو جو ابھی تک بہت سے انسانی حقوق سے محروم تھی' مرد کے برابر سماجی حیثیت اور حقوق دیئے (۴۵) غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کی آزادی کا سامان مہیا کرنے کے اقدامات بھی رسول اللہؐ نے مکی زندگی ہی میں کیے تھے۔ اس قسم کے اقدامات کا مقصود معاشرتی یگانگت تھا۔ آپ کو احساس تھا کہ اگر معاشرے میں سماجی انصاف نہ ہو' لوگ محرومیوں کا شکار ہوں اور عدم مساوات کا دور دورہ ہو' تو افراد کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے کدورت رہے گی اور ان حالات میں وحدت فکر و عمل' جو ترقی کا زینہ ہے' ناممکن ہو گی۔

۴۔ سیاسی اتحاد

یہ صحیح ہے کہ مکہ میں مسلم امت کو سیاسی قوت حاصل نہیں تھی۔ سیاسی طاقت اسے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں حاصل ہوئی جہاں اس نے ریاست و حکومت قائم کی۔ مکہ میں امت کے افراد رسول کریمؐ کا اتباع مذہبی بنیادوں پر کیا کرتے تھے لیکن کسی بھی معاشرے میں مذہبی اطاعت کو سیاسی اطاعت سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ مکہ میں آپکے جملہ اقدامات سیاسی اقدامات کا پیش خیمہ تھے۔ چنانچہ روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ آپ مسلمانوں کو سیاسی تربیت بھی دیتے رہے تاکہ انہیں جب خلافت فی الارض کی ذمہ داری مل جائے' جس کا خدا نے ان سے وعدہ کیا تھا' تو وہ حکومت کرنے کے اہل ہوں۔ وَ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (۴۶) مکی آیات میں سے ہے اور ظاہر ہے اس وقت مسلمان کسی ریاست یا حکومت کے مالک نہیں تھے لیکن اس آیت کے نزول سے اس بات کی نشاندہی ہوتی تھی کہ جلد یا بدیر مسلمانوں پر

حکمرانی کی ذمہ داری بھی ڈالی جانے والی ہے جس کو قبول کر لینے کے بعد وہ اپنے تمام معاملات باہمی اعتماد اور مشوروں سے طے کریں گے۔ رسول پاک مکہ ہی میں مسلمانوں میں نئے نظام حیات (اسلام) کے اصولوں کی روشنی میں سیاسی شعور بیدار کر رہے تھے۔

مسلم امت کا مکی دور اگرچہ ما قبل السیاست (Pre-Political) کہا جا سکتا ہے لیکن جیسا کہ اوپر بتایا گیا' یہ ضروری نہیں کہ سیاست سے پہلے کا دور غیر سیاسی (Un-political) بھی ہو۔ دراصل رسول اکرمؐ کے مکی دور کے آخری تین سال اسلامی ریاست و حکومت کے قیام کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ اس دور میں آپ نے بنو ثقیف اور پھر بنو صعصعہ سے عملی تعاون طلب کیا۔ اگرچہ دونوں قبائل نے بظاہر آپ کو مایوس کیا تھا لیکن بنو صعصعہ کے سردار سے آپ کی جو گفتگو ہوئی وہ بڑی اہم ہے۔ روایت ہے کہ صعصعہ کے سردار بیحرہ بن فراس نے رسول اکرمؐ کے بارے میں کہا کہ خدا اگر میں قریش کے اس آدمی (رسول اللہؐ) کو اپنے ساتھ لے لوں تو اس کی مدد سے دنیائے عرب کو ہڑپ کر سکتا ہوں۔ لیکن جب ان سے قریش کے خلاف مدد کرنے کو کہا گیا تو کہنے لگے کہ اگر ہم آپ کی اطاعت کریں اور خدا آپ کو قریش پر برتری عطا کرے تو کیا حکومت میں ہمارا حصہ ہوگا۔ رسول کریم نے فرمایا طاقت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے حکومت عطا کرے۔ (۴۷) یہاں سے جواب ملنے کے بعد آپ نے اوس و خزرج کی طرف توجہ دی جنھوں نے نہ صرف اسلام کو قبول کیا بلکہ اپنی جان و مال کو خطرے میں ڈال کر آپ کو مدینہ آنے کی دعوت دی اور آپ کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ (۴۸) چنانچہ ہجرت کے بعد مسلم امت کو نہ صرف قریش کے مظالم سے نجات ملی بلکہ اسے سیاسی غلبہ بھی حاصل ہوا۔ مدینہ میں دوسری مرتبہ' مواخاۃ کا قیام' معاہدے کا نفاذ' قرآن پاک کی مزید معاشی تعلیمات' معاشرتی' سیاسی اور قانونی ہدایات امۃ کو مزید مستحکم اور مضبوط بنانے کے اقدامات تھے۔ جس امت کی بنیاد مکہ میں اخلاقی اقدار پر رکھی گئی تھی' اس نے مدینہ میں اپنی اخلاقی اقدار کی بدولت ایک عظیم سیاسی قوت اختیار کی جس نے بہت کم عرصے میں دنیا پر تسلط حاصل کر لیا۔

جو کچھ لکھا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن امت کی اصطلاح کو مختلف معنوں میں استعمال کرتا ہے جس میں مسلمانوں کی مذہبی جمعیت بھی شامل ہے اور یہ کہ امت کی وحدت و یگانگت کے لئے آنحضرت نے روحانی' معاشی' معاشرتی اور سیاسی تمام سطحوں پر مکہ میں کام کا آغاز کیا تھا۔ اور جونہی اس کی جڑیں مضبوط ہوئیں اسے سیاسی طور پر منظم کرنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں جو بالآخر مدینہ میں اسلامی ریاست اور حکومت کے قیام پر منتج ہوئیں۔ لیکن حالیہ برسوں میں مغربی مفکرین اور ان کے بعض مسلمان متبعین نے امت کے اسلامی تصور کی کچھ اور تاویلات کی ہیں۔ منٹگمری واٹ نے اپنی کتاب (محمد مدینے میں) (۴۹) اور ایک دوسرے مضمون (۵۰) میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ آغاز میں امت کی ہیئت مخلوط گروہ کی تھی یعنی یہود اور مسلمان ایک ہی امت سے تعلق رکھتے تھے لیکن بعد میں مسلمانوں کی

بڑھتی ہوئی سیاسی طاقت اور تعداد اور مدینہ سے یہودیوں کے اخراج کے پیش نظر خالصتاً مسلم امت کا تصور ابھرا۔ ان کا یہ خیال بھی ہے کہ آغاز میں امت کی بنیاد علاقہ پر رکھی گئی جس نے بعد میں ہمہ گیریت اختیار کی۔ دراصل امت کے تصور میں یہ چہ میگوئیاں میثاق مدینہ میں شق نمبر ا اور نمبر ۲۵ کی وجہ سے پیدا کی گئی ہیں جہاں امت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (۵۱) توجہ طلب امر تو یہ ہے کہ ایک طرف تو منٹگمری واٹ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی مذہبی جمعیت (لمۃ) کی بنیاد مکہ میں رکھی گئی اور یہ کہ میثاق مدینہ رسول کریم کی تحریر ہے اور دوسری طرف وہ یہودیوں کو مسلمانوں کی مذہبی جمعیت میں خلط ملط کر کے (Composit Community) کا تصور پیش کرتے ہیں جس کی بنیاد علاقہ پر ہے لمۃ کے قرآنی تصور کے بعد سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آنحضرت کوئی اور تصور پیش کرتے جو قرآنی تصور سے متصادم ہو۔ میثاق مدینہ میں آپ نے لمۃ کی اصلاح گروہ کے معنوں میں استعمال کی ہے جس میں وہ الگ الگ امتیں ہیں جو اپنے اپنے ادیان پر قائم ہیں۔ اس نکتہ کی روشنی میں میثاق کی دفعات دیکھی جائیں تو مفہوم خود بخود واضح ہو جائے گا۔

جہاں تک اس دعوے کا تعلق ہے کہ میثاق مدینہ میں جس امت کا تصور پیش کیا گیا ہے وہ Territorial ہے جو بعد میں رفتہ رفتہ Universality اختیار کر گیا' تو یہ خیال غلط مفروضوں پر قائم کیا گیا ہے۔ قرآن واضح الفاظ میں رنگ' نسل' علاقہ یا خون کے رشتوں کی بجائے عقیدے کے رشتوں کو استوار کرتا ہے۔ مکہ میں کافر اور مسلمان ایک ہی علاقے اور نسل سے تعلق رکھتے تھے' زبان بھی ان کی مشترک تھی لیکن اس کے باوجود عقیدہ کے اختلاف کی وجہ سے ان کی امتیں جدا جدا تھیں۔ اس طرح مدینہ میں آباد لوگوں کی امتیں عقائد کے اعتبار سے علیحدہ تھی۔ البتہ جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے یا ہجرت کے بعد مدینہ نہیں لوٹے تھے وہ مسلم امت کے رکن تھے کیونکہ امت کے قرآنی تصور کے مطابق علاقہ کی کوئی وقعت واہمیت نہیں۔

حاصل بحث یہ ہے کہ مسلم امت رنگ' نسل' زبان علاقہ وغیرہ سے عبارت نہیں۔ اور نہ ہی امت کے قرآنی تصور اور تاریخی ارتقاء میں کوئی تضاد ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہو' اس کے رسول کی پیروی کرتا ہو اور جملہ شرعی احکامات کو بجالاتا ہو' وہ امت مسلمہ کا رکن ہے چاہے اس کی کوئی بھی زبان ہو' کسی بھی رنگ' نسل یا علاقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ (بشکریہ مجلہ فکر و نظر' ج ۱۶' شمارہ ۹)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ الراغب اصفہانی
۲۔ ایضاً
۳۔ البقرۃ' ۱۳۴
۴۔ الاعراف' ۳۴
۵۔ الاعراف' ۱۸۱
۶۔ الرعد' ۳۰
۷۔ یونس' ۴۷
۸۔ النحل' ۳۶
۹۔ آل عمران' ۱۰۴
۱۰۔ المائدہ' ۶۶
۱۱۔ الاعراف' ۱۵۹
۱۲۔ الاعراف' ۱۶۴

۱۳۔ الزخرف ۲۲ ۱۴۔ ھود ۸ ۱۵۔ یوسف ۴۵

۱۶۔ البقرۃ ۱۴۳ مسلمانوں کی مذہبی جمعیت کو اس لئے "امۃ وسطاً" کہا گیا ہے کہ اس میں نہ افراط ہے نہ تفریط عیسائیوں نے افراط اختیار کی کہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بنایا اور یہودیوں نے تفریط کی کہ ان کی پیغمبری کو بھی نہ مانا۔ امت معتدل نے نہ ان کو حد سے زیادہ بڑھایا نہ گھٹایا بلکہ ان کے درجہ پر رکھا۔

۱۷۔ آل عمران ۱۱۰ ۱۸۔ البقرۃ ۲۱۳ ۱۹۔ الزخرف ۳۳

۲۰۔ میثاق مدینہ شہری ریاست مدینہ کا دستور تھا جو بقول ڈاکٹر حمید اللہ دنیا کا پہلا تحریری دستور ہے۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے۔

۲۱۔ دیکھئے سیرت ابن ہشام جلد دوم ص ۲۳۔۱۱۹

۲۲۔ البغدادی: الفرق بین الفرق (قاہرہ ۱۹۴۸ء) ص ۴۲۔۱۴۱

۲۳۔

۲۴۔ العنکبوت ۴۵ ۲۵۔ الانفطار ۱۴، ۱۵ ۲۶۔ السجدہ ۱۳، ۱۷

۲۷۔ الاسراء ۷، ۸ ۲۸۔ القیامۃ ۴۰، ۳۶ ۲۹۔ القصص ۷۷

۳۰۔ الھمزہ ۱، ۴ ۳۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ابن حبیب کتاب المحبر (حیدرآباد دکن ۱۹۴۲ء ص ۱۷۔۷۰)

۳۲۔ رسول اکرم کا فرمان ہے: کاد الفقر ان یکون کفراً ۳۳۔ ھود ۸۴، ۸۵

۳۴۔ الھمزہ ۱۔۴ ۳۵۔ الماعون ۱۔۳ ۳۶۔ الرعد ۲۳

۳۷۔ الذاریات ۱۹، المعارج ۲۴، ۲۵، الفاطر ۲۹، الروم ۳۸ ۳۸۔ النمل ۳، الرعد ۲۲

۳۹۔ دیکھئے محمد عزہ دروزہ، التفسیر الحدیث، (دمشق ۱۹۶۲ء) جلد سوم، ص ۱۵۳

۴۰۔ سیرت ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ گیوم ص ۱۵۱

۴۱۔ ابن قیم، اعلام الموقعین، (دھلی ۱۳۱۳ھ) جلد اول، ص ۲۰۰

۴۲۔ الروم ۳۹ ۴۳۔ آل عمران۔ ۱۳۰ ۴۴۔ بقرہ ۲۵۹

۴۵۔ محمد عزہ دروزہ، التفسیر الحدیث، جلد دوم، ص ۱۹۷

۴۶۔ الشوری ۳۸ ۴۷۔ سیرت ابن اسحاق، ص ۱۹۰

۴۸۔ الازرقی، اخبار مکۃ و ماجاء فیھا من الآثا، ص ۴۲۹

۴۹۔ **Montgomery Watt; Muhammad at Medina; (oxford; 1956);P.241**

۵۰۔ **Montgomery Watt; Ideal Factors in the Origin of Islam; The Islamic Oaarterly; ii; No.3 (Octcber 1955); PP. 161-74**

۵۱۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد دوم۔ ص ۲۳۔۱۱۹